پروین عاطف کے ناول "شبِ رفتہ" میں سیاسی و سماجی شعور کا جائزہ

سارا داود

ریسرچ سکالر شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

پروفیسر ڈاکٹر محمد عباس

استاد شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Abstract

Parveen Atif's novel Shab e Rafta reflects deep political and social awareness, portraying societal The novel highlights political instability, .structures, power struggles, and individual hardships authoritarian rule ,and governance failures, showing their impact on ordinary people's lives. It explores class divisions, gender inequality, and the clash between tradition and modernity, particularly focusing on women's struggles and societal constraints analysis.

:Keywords

Politics, authoritarianism, struggle, Class divide, gender inequality, Tradition, modernity, social restrictions analysis.

کلیدی الفاظ:

سیاست، آمریت، جدوجہد، طبقاتی فرق، صنفی نابرابری، روایت، جدت، سماجی پابندیاں، جائزہ۔

پروین عاطف کا ناول "شب رفتہ" ایک گہرے سیاسی و سماجی شعور کا عکاس ہے، جو پاکستانی معاشرتی ڈھانچے، طبقاتی تقسیم، سیاسی ناانصافیوں، اور انسانی جذبات کی کشمکش کو اجاگر کرتا ہے۔ اس ناول میں فرد کی نفسیاتی پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ سماج کے اجتماعی مسائل اور سیاست کے تلخ حقائق کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول میں معاشرے کے امیر اور غریب طبقے کے درمیان خلیج کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ایک طرف سرمایہ دار طبقہ ہے، جو تمام وسائل پر قابض ہے، جبکہ دوسری طرف نچلا طبقہ بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہے۔ پروین عاطف نے عورت کی حالتِ زار، اس کے استحصال، اور اس کی جدوجہد کو مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ "شب رفتہ" میں روایتی اور جدید اقدار کے درمیان تصادم دکھایا گیا ہے، جہاں پرانی

روایات نئی نسل کے خیالات سے ٹکراتی ہیں، اور فرد اس کشمکش میں اپنی شناخت تلاش کرتا ہے۔ وفاداری اور بے وفائی جیسے جذبات کو ناول میں گہرے نفسیاتی پس منظر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جو سماجی حقیقتوں کے ساتھ جُڑا ہوا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے پاکستانی سیاست کی ایک واضح تصویر رکھ دی ہے۔ بد قسمتی سے پروین عاطف پاکستان کی آزادی سے متعلق اس دبستان سے متعلق تھی جو پاکستان کو سارے مسائل کا حل گردانتی تھی۔ وہ خود تقسیم کا دنگا فساد دیکھ چکی تھی۔ جس کی عکاسی خود انھوں نے ناول میں کی ہے:

> "آبادیاں ہجرت کرنے لگیں تو راستے میں مذہبی منافرت کی وجہ سے کارواں کے کارواں قتل و غارت کا نشانہ بنے۔ نہ کسی بچے کی تمیز رہی نہ بوڑھے کی۔"۱

اتنے سخت ترین حالات کے بعد نتائج جب قربانیوں کے موافق نہ نکلیں تو مایوسی یقینی بن جاتی ہے۔ پاکستان کی سیاسی پیچیدگیاں کچھ اس نوعیت کی تھیں۔ ناول میں پروین عاطف ان الفاظ میں عکاسی کرتی ہیں:

> "نوزائیدہ ملک کے وڈیرے، سردار اور بیوروکریٹ حکمران ایوانوں میں پہنچتے ہی نظام کو کسی درست ڈھانچے میں ڈھالنے کی بجائے رنگ رلیوں اور لوٹ میں مگن ہو گئے تھے۔ عدلیہ نے بھی حکومت کی دلالی اور تحفظ کی کاطرح قانون کی ریپ کرنا شروع کر دیا اور پورے معاشرے میں ننگا نہاؤ اور کھلا کھلاؤ کی ریت چل نکلی تھی۔"۲

حکومتی جبر، آزادیٔ اظہار پر پابندی، اور انسانی مذاہب کے پیروکاروں کے رویوں سے مزاہب کی تعلیمات موردالزام ٹھہرانا بد دیانتی ہے۔ عورت کو مقام تو دیا ہی اسلام نے ہے۔ سکھ اور ہندو کمیونٹی کے اندر تو اب بھی غربت کی وجہ سے اکیلی عورت پانچ پانچ بھائیوں کی جنسی ضرورت پوری کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ اس کے متعلق ان مذاہب کا مزاج کیا ہے کچھ علم نہیں۔ البتہ اس حوالے سے مسلمانوں کا مذہب اور عمل دونوں پاک ہیں۔ مسلمانوں میں عورت صرف ایک شوہر سے منسلک ہوتی ہے۔ جہاں تک عورت ذات کی مار پیٹ کا حوالہ ہے تو وہ ہندوستانی عورت ازل سے برداشت کرتی آ رہی ہے۔ اس کی عکاسی بھی ناول میں ملتی ہے:

> "تارا کی والدہ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنی دونوں سگی اور سوتیلی ماؤں کو والد کے تشدد کا شکار ہوتے دیکھا تھا۔ تارا کی اماں کے ادراک میں شوہروں سے مار کھانا شادی کا ایک لازمی جزو تھا۔ اپنی شادی کے چھ ماہ بعد ایک روز انھوں نے جھجکتے ہوئے اپنے شوہر سے پوچھا کہ شادی کو ایک عرصہ ہو گیا۔ کیا وجہ ہے کہ آپ مجھ پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ تارا کے والد اس بات پر کھکھلا کر ہنسنے لگے پھر انھوں نے مذاق سے اپنی بیوی کے منہ پر ایک ہلکی سی چپت لگا کر کہا "لو میں نے تمھارا گلہ دور کر دیا۔"۳

تارا اس ناول کا مرکزی کردار ہے جو کہ حقیقیت میں پروین عاطف نے خود کو اس نام سے ناول کے اندر معنون کیا ہے۔ اس ناول کا ایک اور اہم کرادر "سروت" ہے جو کہ تارا کی بہن کا کردار ہے۔ عورت کی کسمپرسی کے حوالے سے وہ پورے ناول میں ایک نمایاں کردار ہے۔ اس کے ساتھ

جس طرح کا غیر انسانی رویہ روا رکھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بسا اوقات سن کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سروت وہ کردار ہے جو ماں باپ رضا میں راضی اور ان کے سامنے سر تسلیم خم۔ اسی وجہ سے جب وہ اپنے سے دس سال بڑے رشید جو ان کے خالہ دیور تھا، سے بیاہی جارہی تھی تو اس نے احتجاج کا ایک بول بھی نہ بولا اور اپنے والدین کے ہاں میں ہاں ملانے کو اپنی بہتری جانا۔ لیکن شادی کے ساتھ ہی اس کی زندگی کسی جہنم میں دھکیل دی گئی تھی:

> "بے زبان نو بیاہتا سروت کو سماج نے اس کی شادی کے بحر مردار میں دوبارہ دھکا دے دیا تھا۔ کبھی کبھار فیصل آباد سے کوئی خبر ملتی تو سروت کے والدین بیٹی پیدا کرنے کے احساسِ جرم میں گرفتار سر نیہوڑا کر بیٹھ جاتے۔ وہ بیٹی کے غم میں گھلتے تھے لیکن بوجوہ حل تلاش نہیں کرسکتے تھے۔"۴

اس ناول میں مغربی سماج کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ تارا کے شوہر فوج میں کرنل اور ہاکی ٹیم کے ایک اچھے کھلاڑی تھے۔ ان کو ٹیم کے ساتھ بیرونی دوروں پر جانا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک دورے کے دوران تارا کو بھی ان کے ساتھ تین سال کے لیے لندن قیام کا موقع مل گیا۔ پروین عاطف نے جس یورپ کی عکاسی کی ہے وہ آج سے ۶۰ سالہ پرانا یورپ ہے۔ اس وقت اور اس وقت کی یورپین عورت کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔۔اب تو حالات اس سے بھی دگرگوں ہیں۔ اس وقت شادی کا تناسب موجودہ دور سے زیادہ تھا۔ اس ناول میں جو بھی مغربی کردار پیش کیے گئے ہیں سارے شادی شدہ ہیں۔ لیکن ساتھ میں طلاق یافتہ کردار بھی موجود ہیں۔ "روتھ "کا کردار خود ایک ترکی آفیسر سے شادی کے بعد جلد ہی طلاق لے لیتی ہے۔ اس خانگی زندگی سے بے رغبتی اور شخصی آزادی کے تصور نے مغربی عورت کو تہی دست بنادیا ہے۔ ڈاکٹر احسان محمد خان نے ایک امریکن جج کی جانب سے کیے گئے سروے کو اپنی کتاب کا حصہ بنایا ہے:

> "میں شادی کیوں کروں؟ میرے ساتھ جن لڑکیوں نے گزشتہ دو سال میں شادی کی ہیں۔ ہر دس میں سے پانچ کا انجام طلاق پر ہوا۔ میں سمجھتی ہوں اس زمانے کی لڑکی محبت کے معاملے میں آزادی عمل کا فطری حق رکھتی ہے۔ ہم کو منع حمل کی کافی تدابیر معلوم ہیں۔"۵

پروین عاطف کے اس ناول میں مرد اگر سیاست دان ہے تو اپنی انا میں قید ایک جابر انسان اور اگر کوئی افسر ہے، مولوی ہے، حتیٰ کہ بعض ضروری رشتوں کی صورت میں بھی ان کے مدنظر مرد کی برائیاں ہیں۔ ان کا اگر کوئی مثالی مرد ہے تو وہ والد اور ایک بھائی ہے۔ باقی مردوں میں دنیا جہاں کی خامیاں ہیں۔ اس ناول میں "کمال "کا کردار ان کے شوہر کا ہے۔ پروین عاطف نے اس کردار کو ایک وومنائزر(womanizer) دکھایا ہے جن کو عورت ذات سے رغبت اور منہ ماری کا شوق۔ چونکہ یہ ایک عالمی سطح کا کھلاڑی تھا اور عالمی سطح کے کھلاڑی کو پروین عاطف نے یوں بیان کیا ہے:

> "بین الاقوامی شہرت کے مالک کھلاڑی عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر طرح کی خاندانی پابندی سے آزاد زندگی ان کی ہڈیوں میں رچ جاتی ہے۔ بچے کو سکول چھوڑنے جانا، بیوی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا، مہمان کو ہوائی اڈہ سے لے کر آنا ان کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔ اپنے کھیل کی ترقی کی

خاطر وہ بے انتہا محنت کرتے ہیں۔فارغ اوقات میں وہ اپنے ایسے خوش وقتی کے علاوہ کچھ نہیں سوچتے۔عورت سے ان کا رابطہ عام طور پر کم ہوتا ہے۔اس لیے کہ عورت کے بارے میں ان کا تجسس اور شوق انہیں دم نہیں لینے دیتا۔لڑکی دیکھ کر ان میں سے بہت سوں کا حال اس ہسپانوی بیل کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ کپڑے کا ٹکراؤ دیکھتے ہی حواس باختہ ہو جاتا ہے۔"۶

تارا اور اس کے درمیان زندگی کے اواخر میں رنجش رہی۔تارا کافی عرصہ پہلے ان سے بے زاری اور علیحدگی کی زندگی گزار رہی تھی۔مردانہ نوعیت کی ایک آدھ غلطی نے تارا کو ساری زندگی اپنے شوہر سے بدظن کیا اور یہاں تک جب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے دوران ہماری ۹۰ ہزار فوج وہاں پھنس گئی ان میں کمال بھی تھا۔دیگر افسروں کی بیویاں اپنے شوہروں کے لیے جس طرح بے قرار تھیں تارا کو اس طرح کی فکر نہ تھی،اگر انہیں کچھ فکر تھی تو یہ کہ میرے بچے بغیر والد کے نہ رہے۔خود بعض جگہوں پر پروین عاطف اس کا اعتراف کرتی ہے:

"کمال کی طبیعت میں پدر سری نظام کے پرانے زمانے کا مرد کا آمرانہ پن بدرجہ اتم موجود تھا۔لیکن ایک خاص قسم کی کشادہ ذہنی بھی تھی۔تارا اگر ہوشیاری سے اس کی زیادہ باتوں پر جی جی کرتی رہتی تو پھر اپنی بات منوانے میں بھی اسے دقت پیش نہ آتی۔"۷

پروین عاطف بنیادی طور پر شدت والی تانیثی رویہ کی ادیبہ ہیں۔اسی لیے مردوں کے ہر عمل کے متعلق ان کا طرز بیان قدرے سخت ہے۔مثلاً! ایک جگہ وہ تارا کے کردار کی فنون لطیفہ سے رغبت کی عکاسی اس طرح کرتی ہے:

"مولویوں کے ڈریکولا دانت ابھی فنون لطیفہ کی گردن میں نہیں گڑے تھے۔تارا نے اپنی روشن خیال والدہ کی اجازت سے آرٹ کونسل لاہور میں کلاسیکل رقص کی کلاس میں داخلہ لیا تھا۔اس کے گلے میں سر موجود نہیں تھے لیکن وہ ایک کلاسیکل رقاصہ بننے کے خواب دیکھتی تھی۔"۸

مردوں کے متعلق ان کا مزاج پہلے بھی سخت تھا اور جب مرد کا کردار مولوی کا ہو تب تو پروین عاطف کو خونخوار ڈریکولا ہی لگتا ہے۔

پروین عاطف لکھتی ہیں:

" نوجوان ذہن کو مشرف بہ امریکہ کرنے کے لیے انھوں نے اہم یونیورسٹیوں میں امریکی پروفیسروں کو سمیت تعلیم کے نئے شعبے کھول دیتے تھے۔سوشیالوجی کا شعبہ بھی انھی چند نئے شعبہ جات میں سے تھا۔"۹

اگر بنظر غائر دیکھا جائے اور ایک معتدل رائے قائم کی جائے تو جس معاشرے کے ساتھ قرآن وحدیث جیسے رہنمائے اصول موجود ہوں انھیں سوشیالوجی اور سوشل سائنس پڑھنے کی کیا ضرورت ؟اس نصاب کو پڑھنے کے بعد جو ذہنیت سامنے آتی ہے وہ اکثر و بیشتر دینی امور پر معترض ہوتے ہیں۔کودنا ول کا مرکزی کردار اس کا بین ثبوت ہے:

"پاکستان میں امریکی پروفیسر مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ہلکی سی چادر لپیٹ کر سوشیالوجی کی کلاس میں تارا جب پہلے دن اتری تو اس کا یونی ورسٹی کے لان میں سب لوگوں کے سامنے بھنگڑا اور جھومر ڈالنے کو جی چاہ رہا تھا۔"۱۰

پروین عاطف نے آزادی کے بعد پاکستانی سماج کے کم و بیش تمام مسائل کی عکاسی کی ہے۔ جس میں ملکی اور علاقائی سطح ہر دو طرح کے مسائل شامل ہیں۔ نظریاتی، فکری اور سماجی غرض ہر نوعیت کا مسئلہ ان کے زیر نظر رہا۔ پاکستان مختلف قوموں کا ایک کل ہے جس میں جزوی نوعیت کے اپنے مسائل اور اپنی اپنی مشکلات ہیں پروین عاطف لکھتی ہیں:

"سندھ، بلوچستان، بلتستان میں تو اکیسویں صدی میں بھی جرگے اور پنچائتیں محبت کرنے والے لڑکے لڑکیوں کے سر قلم کرتے ہیں یا زمین میں گاڑ دیتے ہیں۔"۱۱

اس ناول کا کینوس قدرے وسیع ہے، چونکہ مصنفہ نے پاکستان بنتے دیکھا تھا اور اس زمانے میں مصنفہ خود بھی بین شعور میں داخل تھیں۔ لہٰذا وہ بر صغیر کو انگریزی نظام کے زیر تسلط دیکھ چکی تھی۔ تقریباً چند انگریز نواز سکالرز کے علاوہ باقی اکثریت ان مصنفین کی ہیں جنہوں نے انگریز کی تباہ کاریوں کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ اس ناول میں پروین عاطف نے اس کی عکاسی کی ہے:

"ایمن آباد کے مضافاتی دیہاتی علاقوں کے نوجوان کھیتی باڑی یا چھوٹی دکانداری کے علاوہ کچھ نہ جانتے تھے۔ انگریزوں نے بڑے شہروں میں چند ارفع تعلیمی ادارے صرف اس لیے قائم کیے تھے کہ وہاں بڑے جاگیر داروں اور امرا کے بیٹے تعلیم حاصل کر کے مستقبل میں انگلش راج کا نظام جاری وساری رکھ سکیں۔"۱۲

ایک طرف تو جاگیر داری اور وڈیرہ کلچر کا نظام تھا دوسری طرف نظام تعلیم کے ذیل میں اشرافیہ نظام کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس حوالے سے شبیر بخاری بر صغیر میں میکالے کی وضع کردہ نظام تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ انگریزی نظام تعلیم ایک نئ ہندوستانی اشرافیہ پیدا کرنے کی غرض سے رائج کیا گیا جو باہر سے ہندوستانی مگر اندر سے انگریز ہو۔"۱۳

پروین عاطف کا ناول "شب رفتہ" اردو ادب کا ایک اہم تخلیقی شہکار ہے، جو انسانی جذبات، معاشرتی مسائل اور نفسیاتی کشمکش کو منفرد انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس ناول میں زندگی کی حقیقتوں، ماضی کے اثرات، اور فرد کی داخلی کیفیت کو بڑی باریکی سے بیان کیا گیا ہے۔ "شب رفتہ" ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جو اپنے ماضی کے سائے میں جکڑی ہوئی ہے۔ وہ محبت، قربانی، اور رشتوں کی پیچیدگیوں سے گزرتی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اسے اپنی زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ناول کی زبان سادہ مگر ادبی چاشنی لیے ہوئے ہے۔ جذباتی مناظر میں زبان میں شعریت اور گہرائی محسوس ہوتی ہے، جو قاری کو کہانی کے ساتھ جوڑ کر رکھتی ہے۔ کہانی میں جذباتی وابستگی اور جدائی کے دکھ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ طبقاتی فرق، عورت کی معاشرتی حیثیت اور روایتی پابندیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مرکزی کردار کے اندرونی جذبات اور ماضی کی یادوں سے اس

کی کشمکش کو بڑی مہارت سے بیان کیا گیا ہے۔ کہانی میں بیانیہ اسلوب کا خوبصورت استعمال کیا گیا ہے۔ مکالمے فطری اور حقیقت پسندانہ ہیں، جو کرداروں کی نفسیاتی حالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ منظر نگاری عمدہ ہے، جو قاری کو کہانی میں کھینچ لیتی ہے۔ "شب رفتہ" ایک کامیاب ناول ہے۔ پروین عاطف نے کرداروں کو حقیقت کے بہت قریب رکھا ہے۔ ان کے احساسات، تجربات اور سوچنے کے انداز میں فطری پن ہے، جو انہیں قاری کے لیے قابلِ فہم اور متاثر کن بناتا ہے۔ مصنفہ کی نثر سادہ مگر مؤثر ہے۔ جذبات کی عکاسی میں ان کا انداز بہت گہرا اور نپا تلا ہے۔ مکالمے مختصر مگر بامعنی ہیں، جو کہانی میں جان ڈال دیتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ ناول، ناول کم اور آپ بیتی زیادہ ہے۔ اصل میں اس ناول کا موضوع خود پروین عاطف کی ذات ہے اور انسان کی ذاتی زندگی سے جذباتی تعلق ہوتا ہے۔ بہر کیف موضوع کے اعتبار سے ناول میں کافی گنجائش ہے۔ بیسویں صدی کا عالمی بیانیہ مختلف صورتوں میں ناول کے اندر عیاں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروین عاطف شب رفتہ مشمولہ: کلیات پروین عاطف الفیصل ناشران، لاہور 2019ء ص، ۱۰۰۳

۲۔ ایضاً ص ۱۰۱۹

۳۔ ایضاً ص، ۹۹۳

۴۔ ایضاً ص، ۱۰۴۰

۵۔ پروین عاطف شب رفتہ مشمولہ: کلیات پروین عاطف الفیصل ناشران، لاہور ۲۰۱۹ء ص، ۱۰۳۲

۶۔ ایضاً ص، ۱۰۹۱

۷۔ ایضاً ص، ۱۰۸۸

۸۔ ایضاً ص، ۱۰۴۱

۹۔ ایضاً ص، ۱۰۵۰

۱۰۔ ایضاً ص، ۱۰۵۱

۱۱۔ ایضاً ص، ۱۰۰۰

۱۲۔ ایضاً ص ۹۸۵

۱۳۔ شبیر بخاری میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۶ء ص، ۶۵